ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.4 (2024)
(October to December)

اکیسویں صدی میں پاکستانی قومی گیت نگاری کی نئی رسمیات

New Formalities of Pakistani National Songs rather in the 21st Century

ڈاکٹر فرزانہ خدرزئی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج جناح ٹاؤن، کوئٹہ

ڈاکٹر کرن داؤد

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، ایس بی کے ویمنز یونیورسٹی، بلوچستان، کوئٹہ

Dr.Farzana khiderzai

Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. Girls Degree College Jinnah Town, Quetta

Dr. Kirn Dawood Butt

Assstant professor, Department of Urdu SBKWU, Balochistan, Quetta

Abstract:

In the 21st century pets of the new generation will create national songs keepind in mind the changing conditions,changing times,global scenario and modern scientific development, keeping infront of them new thems,meanings ang goals.somtime before the beginning of the 21 st century new bnds of music appeared.Their effects were also set on national songs.Most of the bands experiments failed due to the limited poetry.However, in this crowd of bands,some bands also appeared,due to seriousness in experiments,the songs wich created became successful.The songs created with the combined harmony of western and eastern music were welcomed in the public sphere.The national songs printed in the newspapers,magazines and journals can only be understood by the educated calss,while the songs published through electronic media it can be enjoyed by every section of people.In the 21st century ,pakistan had to faced many types of terrorism.In the wave of terrorism,new trends emerged in paying tribute to the soldiers,ghazis,mujahids and martyrs of pakistan.

Keywords: 21st century, changing times, national songs, experiments, public sphere, electronic media, martyrs of Pakistan

اکیسویں صدی، جس میں نئی نسل کے شعرا نے بدلتے حالات، زمانے کے تغیرات، عالمی منظر نامے اور جدید سائنسی ترقی کو مد نظر رکھتے ہوئے نئے موضوعات، مفہوم و معنی اور نئے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے گیت تخلیق کیے۔ فکر و فن کے نئے زاویوں سے ایک نیا شاعرانہ شعور تشکیل پانے لگا۔ جس کے تحت گیتوں میں ایک نیا اور منفرد انداز ترتیب پایا۔ اکیسویں صدی سے چند سال قبل یہ تبدیلی دیکھنے کو ملی کہ اب قومی گیت لکھے ہی اس لیے جاتے کہ انہیں گایا جائے۔ اس دور میں ان میں موسیقی کا مکمل دخل دکھائی دیا۔ ان میں ہیئت کے حوالے سے تنوع دیکھنے کو ملا۔ ساز، موسیقی کے تال میل کو مد نظر رکھتے ہوئے، قومی گیت اپنے موضوعاتی دائرے میں رہتے ہوئے کئی نئے موضوعات کو اپنے قالب میں ڈھالتے ہیں۔ جن کا تعلق پاکستان اور پاکستان میں بسنے والوں کی زندگی کے شب و روز اور دیگر عوامل سے ہے۔ ان عوامل کو مد نظر رکھتے ہوئے نئے، جدید، ہمہ رنگ، پیچیدہ اور برق رفتار زندگی کے پر وردہ نئے شعرا کے خیالات میں گہرائی، وسعت، تیزی، تندی اور تحرک دکھائی دیا۔ اظہار کے لیے زبان و بیان کی قدرتی لچک دار راہوں

سے غور و فکر کے نئے میعارات مقرر ہوئے، جن کے توسط سے گیتوں میں نئے دور کا آغاز ہوا اور گیت زمانے کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوئے۔ نت نئے موضوعات، رنگ برنگے طریقوں سے قومی گیتوں میں تبدیلی در آئی اور گیتوں کا رجحان عام ہو گیا۔ اسلامی اور قومی تشخص کی پاس داری کے ساتھ ساتھ مغربی اقدار و روایات کا بھی خیر مقدم کیا گیا۔ یہ جدت طرازی انگریزی طرز معاشرت یا موسیقی کی نقالی نہیں ہے بل کہ اس کے پیچھے ایک خاص ادبی مقصد کام کرتا ہے۔ یہ مقصد جدید خیالات، جذبات و احساسات اور موضوعات کے بھرپور اظہار و ابلاغ کا ہے۔ اس کے تحت وہ محتاط رویے اپنائے گئے جو اپنی تہذیبی روایات سے متصادم نہ ہوں، عام اور گھسی پٹی شاہ راہوں پر گامزن ہونے کی بہ جائے نئے طرز احساس کو فوقیت دی گئی۔ جدید عہد کے بے پناہ خیالات کے اظہار کے لیے پرانی ڈگر کو چھوڑ کر نئے راستوں کو اختیار کرنا ہی بہتر سمجھا گیا۔ کیوں کہ یہ جانے پہچانے راستے جدید خیالات کی عکاسی سے قاصر تھے۔ اس طریقہ کار کو محض تفریح کے طور پر نہیں لیا گیا بل کہ فکری تقاضوں نئی ضرورتوں سے عہدہ برا ہونے کے لیے اس کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس طرح کی کاوشوں سے نئی نسل کے شعرا گیتوں کو منفرد اور روشن راستوں پر لے جانے کی سعی میں کامیاب دکھائے دیے۔

قومی گیتوں کی تخلیق کا سلسلہ اگرچہ قیام پاکستان سے قبل ہی ہو چکا تھا مگر ساز و آواز کے ساتھ ان کی تخلیق کا سلسلہ قیام پاکستان کے بعد شروع ہوا۔ ساٹھ کی دہائی کے بعد سامنے آنے والے معروف و مقبول گیتوں کی دھنیں موسیقاروں کی ذہنی اپج کا نتیجہ تھیں۔ ان دھنوں کو سازوں کے ساتھ ہم آہنگ کر کے نئے انداز اور رنگوں میں ڈھالا گیا، مگر یہ پورا منظر نامہ روایتی مشرقی موسیقی کا تھا۔ گلوکاروں نے دھنوں کے ساتھ آواز ملائی۔ یوں ان موسیقاروں کی مرتب کردہ دھنوں کو گلوکاروں کی سریلی آوازوں سے مہمیز کیا گیا جو ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے نشر ہونے کے بعد سننے والوں کے دلوں میں گھر کر گئے۔ اس طرز طریقہ سے کئی سدا بہار گیتوں کی دھنیں ترتیب دی گئیں۔ گلوکاروں نے موسیقاروں کی ترتیب دی ہوئی موسیقی کے زیر اہتمام گا کر شہرت حاصل کی مگر بیسویں صدی کے اختتام اور اکیسویں صدی کے آغاز میں مغربی موسیقی کو مد نظر رکھتے ہوئے تجربات کیے گئے۔ جن کے زیر اثر قومی گیتوں میں بھی نئے رجحانات سامنے آئے۔

اردو شاعری میں قومی گیتوں کی فکری روش عہد جدید کے حوالے سے ایک خاص پہچان رکھتی ہے۔ اس فکر کے اظہار کے لیے شعرا نے گیتوں میں مختلف معاملات ڈھال کر پیش کیے۔ اکیسویں صدی میں ہونے والے نائن الیون حملوں نے دنیا کی شکل بدل دی۔ اس واقعے کے بعد عالمی سطح پر پالیسیاں تبدیل ہوئیں۔ اس سانحے سے جہاں زندگی کے تمام شعبوں پر اثرات مرتب ہوئے وہاں شعر و ادب نے بھی نئی کروٹ لی۔ پاکستان اس واقعے سے براہ راست متاثر ہوا۔ اس صورت حال کی وجہ سے ارد گرد پھیلے مسائل سے وابستگی آگہی کے راستے ہم وار کرتے رہے۔ یہ فرقہ پرستی، دہشت گردی، اغوا اور ٹارگٹ کلنگ جیسے حالات کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس واقعہ کے رد عمل میں امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر افغانستان، پاکستان اور عراق کو ریاستی دہشت گردی کی آگ میں جھونک دیا۔ امریکہ کی اس مسلط کردہ دہشت گردی کی جنگ میں پاکستان اس کا اتحادی بن کر آیا۔ پاکستان کے شمالی علاقہ جات جو اپنی خوب صورتی اور دل فریبی کی وجہ سے توجہ کے مرکز تھے۔ کھنڈرات میں بدل گئے۔ ہنگامی حالات کے پیش نظر مقامی آبادی کو اپنے گھر بار، جائیداد چھوڑ کر نقل مکانی کرنی پڑی۔ یوں ایک مرتبہ پھر شعر و ادب میں ہجرت جیسے موضوعات کو جگہ ملی۔ نائن الیون کے بعد پاکستان میں اٹھنے والی دہشت گردی کی لہر نے قوم کو آزمائش سے دوچار کیا۔ رواں صدی کے اس تمام اتار چڑھاؤ اور عالمی مسائل و معاملات نے گیتوں پر بھی اپنے اثرات ثبت کیے۔ جن سے ان دو طرفہ جدت و تازگی دیکھنے کو ملی۔

الف۔ مغربی موسیقی کے زیر اثر قومی گیتوں میں نئی تبدیلیوں کا در آنا اور فکر و خیال کے اظہار کے نت نئے سانچے

ب۔ نائن الیون کے پس منظر میں اٹھنے والی دہشت گردی کا نیا منظر نامہ

بیسویں صدی کے اختتام پر اور اکیسویں صدی کے آغاز سے چند سال قبل گیتوں میں مغربی موسیقی کے زیر اثر بہت سی نئی تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں۔ اکیسویں صدی سے چند سال قبل ہونے والے یہ تجربات اکیسویں صدی تک پہنچ کر مستحکم و مضبوط ہو جاتے ہیں اور حال سے لے کر مستقبل تک ان میں نئے نئے رنگ بھر کر جدت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس نئے منظر نامے میں جہاں شعرا نے انفرادیت کے رنگ نمایاں کیے، وہاں موسیقاروں اور گلوکاروں نے ان امکانات میں روشن رنگ بھر کر گیتوں کے اسلوب کو مختلف اور متنوع جہتوں کے ساتھ پیش کیا۔ گیتوں میں گہرائی، بلندی اور وسعت اور تحرک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گیت نئے شاعرانہ ذہن کے اظہار و ابلاغ اور تفہیم کے لیے زیادہ تسلی بخش ذرائع قرار پائے۔ ایک ایسا دور جس میں ذرائع اظہار و ابلاغ میں بلا کی تیزی اور بھرمار تمام عالم کو یک جا کر دیتی ہے۔ ایسے ماحول میں قومی زندگی کے تمام مسائل ایک ہی وقت میں شاعر کے سامنے آتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کی ترقی کو دیکھ کر جب اپنے ملک کی طرف نظر ڈالتا ہے تو اپنے ملک کے مسائل، ترقی کی رفتار میں کمی، تعلیمی پس ماندگی اور دیگر معاملات میں عدم توازن کو دیکھ کر افسردہ ہو جاتا ہے۔ اس کم مائیگی و پس ماندگی کو سامنے لانے کے ساتھ ساتھ گیت نگار شعرا نے سائنسی اور مغربی طرز تصور سے غور و فکر کے نئے دریچے وا کیے۔ ان کی بہ دولت نئے فکری معیار مہیا ہوئے اور مغربی رجحانات کو گیتوں میں جگہ ملنے لگتی ہے۔ جس کے تحت شعرا نے گیتوں کو نئے نئے طریقوں سے ترتیب دے کر آراستہ کیا۔ نئے فنی تجربے ہوئے۔ نئے الفاظ اور نئے اسالیب اختیار کیے گئے۔ نیا ترنم اور آہنگ مہیا کرنے کی سعی کی گئی۔ اس طرح گیتوں میں فکری اور عملی دونوں طرح سے نئے انداز سامنے آئے۔ نئی نسل کے شعرا نئے موضوعات، مفاہیم، معنی اور مقاصد لائے۔ جس سے ایک الگ شاعرانہ شعور تشکیل پانے لگا۔ ذرائع اظہار میں زیادہ وسعت آئی۔ جدید، ہمہ رنگ، پے چیدہ برق رفتار زندگی کے بے پناہ متنوع موضوعات طرح طرح سے ظاہر ہوئے۔ ایسا نہیں ہوا کہ صرف مغربی تصورات اور خیالات کی عکاسی کی گئی بل کہ مشرقی قدروں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ نئی قدروں کو اپنایا گیا۔ جس کے تحت گیت تحریک نو کے خوش گوار راستے پر چلنے لگے۔ مشرقی ثقافت کو وسعت اور رنگا رنگی بخشی گئی۔ مغربی طرز موسیقی سے اپنائیت کا رجحان سامنے آیا۔ جس سے ذہن میں وسعت پذیری تشکیل ہوئی۔ مغربی کلچر اور تصورات سے واقفیت میں مزید اضافہ ہوا جس کے تحت مغربی تصورات اور خیالات کا نیا رجحان شروع ہوا۔ ذہن منور اور روشن ہونے لگے۔ بیسویں صدی کے اختتام اور اکیسویں صدی کے آغاز سے کچھ عرصہ قبل سامنے آنے والے موسیقی کے نئے بینڈز کے اثرات قومی گیتوں پر بھی جاگزیں ہوئے۔ ان بینڈز کی تفصیل اور فہرست کا مقصد قومی گیتوں پر منتج ہونے والی نئی رسمیات کا اندازہ ہوتا ہے۔ نئے حالات اور وقت کے تناظر میں نئی رسمیات کو اجاگر کرنا ہے۔

۱۔ آواز گروپ، ۱۹۹۰ء۔۲۰۰۰ء)

۲۔ اسٹرنگ (string)، ۱۹۸۸ء۔۲۰۲۱ء)

۳۔ جنون گروپ، ۱۹۹۰ء۔۲۰۰۵ء)

۴۔ جوپیٹرز، (Jupiters) میوزک بینڈ ۱۹۸۰ء۔۱۹۹۵ء)

۵۔ ریج Rage میوزک بینڈ، ۱۹۸۶ء)

۶۔ سیج (Siege) میوزک بینڈ ۲۰۰۰ء)

۷۔ سول (soul) میوزک بینڈ ۱۹۹۷ء،

۸۔ کاروان (karavan) میوزک بینڈ ۱۹۹۷ء۔ ۲۰۱۲ء)

۹۔ کشمیر بینڈ ۲۰۱۲ء۔ تاحال

۱۰۔ قیاس Qayas میوزک بینڈ، ۲۰۰۸ء تاحال

۱۱۔ مائل اسٹون (Milestones)، ۱۹۹۰۔ ۱۹۹۶ء)

۱۲۔ نائیٹ کریچرز Night creatures، ۱۹۹۱ء)

۱۳۔ نوری Noori، ۱۹۹۶ء۔ ۲۰۱۶ء)

۱۴۔ نازیہ اور زوہیب، ۱۹۸۰ء۔ ۱۹۹۲ء)

۱۵۔ وائٹل سائنز، ۱۹۸۳ء۔ ۲۰۰۴ء)

۱۷۔ ہیونز (Heavens) میوزک بینڈ (۱۹۹۰ء)

کچھ میوزیکل بینڈز اور جوڑیاں بعد میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئیں۔ ابرار الحق، زوہیب حسن (دھرتی ہماری ہے، شہزاد مغل، عامر سلیم، علی حیدر، علی شیر جیسے معروف گلوکار انفرادی طور پر گانے لگے۔ بیشتر معروف بینڈز ایسے ہیں جنہوں نے بہت سے قومی گیت گا کر اس طرز کو فروغ دیا۔ پاکستان میں بینڈز کے توسط سے آنے والی مغربی موسیقی کی روایت ۱۹۸۰ء کی دہائی کے آخر سے ۲۰۰۰ء کے وسط تک اپنے عروج پر تھی۔ اس روایت کا آغاز معروف گلوکار عالم گیر کے توسط سے ہوا۔ جنہوں نے متعدد قومی گیت اپنے منفرد انداز میں گائے۔ اسی عہد میں مغربی موسیقی کی روایت کو محمد علی شہکی نے فروغ دیا۔ صہبا اختر کا لکھا ہوا معروف قومی گیت میں بھی پاکستان ہوں تو بھی پاکستان ہے، گایا، مگر اس زمانے میں مغربی موسیقی کی علامت صرف گٹار ہوا کرتا تھا۔ پاکستان میں مغربی موسیقی کا حقیقی معنوں میں آغاز نازیہ حسن اور زوہیب حسن کے توسط سے ہوا۔ جنہوں نے مغربی موسیقی کے نت نئے آلات استعمال کر کے اس طرز طریقہ کو فروغ دیا۔ مغربی موسیقی تخلیقی لحاظ سے آسان اور سہل ہے۔ اس کی شاعری اور کمپوزنگ میں موسیقاروں اور گلوکاروں کو یہ آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی بھی انداز میں کوئی بھی گیت گائیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی موسیقی کی چاہ میں ایک سیلاب امڈ آیا۔ کسی نے انفرادی حیثیت سے گایا تو کسی نے بینڈ بنالیا۔ اسی اثنا میں ۱۴ اگست ۱۹۸۷ء کو پاکستان ٹیلی ویژن اسلام آباد سے جنید جمشید کی آواز سے مغربی موسیقی مزین معروف قومی گیت دل دل پاکستان گونجا۔ مغربی لباس میں ملبوس جدید دور کے ماڈرن لڑکے یہ گیت گا رہے تھے۔ گیت اتنا مقبول ہوا کہ اس کے الفاظ قلب و اذہان پر نقش ہو کر رہ گئے۔ یہ گیت پروڈیوسر شعیب منصور اور گلوکار جنید جمشید کے ساتھ منسوب ہو گیا۔ اس کے شاعر نثار ناسک کو وہ مقام و مرتبہ نہ مل سکا جس کے وہ حق دار تھے۔

دل دل پاکستان میں نثار ناسک سرزمین پاکستان کو ساری دنیا سے زیادہ حسین گردانتے ہیں۔ اس گیت کے معروف ہونے کے بعد دیگر گیت نگار شعرا اور موسیقار بھی متاثر ہوئے اور انھوں نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق ان اثرات کو قبول کیا۔ ادبی اعتبار سے قومی گیتوں میں یہ زمانہ نئے تجربات سے تعلق رکھتا ہے۔ مغربی طرز موسیقی کے زیر اثر پاکستان میں قومی گیتوں کی تخلیق اور پیش کش کے حوالے سے نئی روایت کا آغاز ہوتا ہے۔ اس طرز طریقہ کے زیر اثر نئے تجربات کا تسلسل ادبی تاریخ میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ تجربات سنجیدہ حلقوں میں زیادہ پسندیدہ قرار نہیں پائے۔ انگریزی معاشرت کے دل دادہ نوجوانوں میں اکثریت ایسوں کی بھی تھی جو درست

طریقے سے اردو بولنا بھی نہیں جانتے تھے۔ مغربی طرز کی بنیاد رکھنے والے پیشتر گلوکار خود شاعری لکھنے، موسیقی ترتیب دینے کا فریضہ بھی انجام دینے لگے۔ اس بات کی تصدیق معروف پوپ گلوکار سلیم جاوید کے اس بیان سے ہوتی ہے :

"میں جب میوزک کمپوز کر رہا ہوتا ہوں تو دھن کے لحاظ سے
خود ہی بول بھی لکھ لیتا ہوں۔ اس طرح کرتے کرتے کافی
گیت میں نے خود لکھ ڈالے مگر بہت سے گیت ہیں جن کو میں
نے باقاعدہ شعرا سے لکھوایا ہے۔"(۱)

آواز بینڈ سے الگ ہو کر الگ شناخت بنانے والے معروف پوپ گلوکار ہارون لکھتے ہیں:

"میں نے زیادہ تر شاعری تو صابر ظفر سے لکھوائی۔ اُن سے
میرا مزاج ملتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی شاعروں کے ساتھ
کام کیا۔ کچھ گانوں کی شاعری میں نے خود بھی کی لیکن مجھے
انگریزی میں لکھنے سے مسئلہ نہیں ہوتا، اردو میں تھوڑی
مشکل ہوتی ہے۔"(۲)

ان نئے شعرا کے پاس کہنے کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ انہوں نے جس قسم کی شاعری کو قومی جذبات و احساسات، اقدار اور حب الوطنی کے تجربات سے آشنا کیا وہ ذہنی مشق کے تصور سے آگے نہیں بڑھ رہی تھی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ آنے والے بے شمار نئے میوزیکل بینڈز پھٹی جینز، بڑھے ہوئے بالوں والے حلیے کے ساتھ، سدا بہار قومی گیتوں کے الفاظ، دھنوں اور سروں کو مغربی موسیقی کے بے پناہ شور، بے ہنگم آوازوں اور غیر سنجیدہ شاعری سے مدغم کر کے پیش کرنے لگے۔ ابتدا میں ادبی فضا پر تخلیقی سطح کے حوالے سے ایک ٹھہراؤ اور جمود کی کیفیت طاری ہو گئی۔ دل دل پاکستان کی مثال چھوڑ کر دیگر گیت نگار شعرا چھوٹے چھوٹے تجربات کی شاعری کر رہے تھے۔ یہ تجربات اپنے عہد تک محدود تھے۔ ماضی کی طرح ان میں سے کوئی ایسا گلوکار نما شاعر نہیں تھا جو اپنے حال کی سرحدوں کو عبور کر کے مستقبل کی طرف بڑھتا۔ مغربی روایت کے امین یہ شعرا، شاعر کم گائیک زیادہ تھے۔ ان کی گائیکی میں ترنم ایک متروک چیز تھی۔ یہ شاعر نما گلوکار حال کے شاعر تھے، اور حال ہی میں اسیر رہے۔ اس دور میں گیت رسائل، جرائد اور اخبارات میں چھپنے کی بہ جائے گائیکی کے لیے تیار کیے جاتے۔ جنہیں اسٹیج پروگرامز یا میوزک کنسرٹس میں پیش کیا جاتا۔ پیشتر گلوکار گائیکی کے اصول و ضوابط اور ترنم جیسی خصوصیت سے ناآشنائی کے سبب پہلے سے ہی گیت تیار کر لیتے اور اسٹیج پروگرام یا کنسرٹ کے موقعوں پر تیار شدہ گانوں کی کیسٹ یا سی ڈی چلا کر ہونٹوں کی حرکت، رقص اور مائیک پکڑ کر اسٹیج کے گرد چکر لگا کر گائیکی کا فریضہ انجام دیتے۔ موسیقی کے لائیو پروگرامز میں ان کی آوازوں کا حقیقی عقدہ کھلتا۔ اسی سبب یہ شاعری ایک عرصے تک ادبی حلقوں میں معطون قرار پائی۔ اس نوعیت کی شاعری ایک تجربہ تھی۔ پیشتر میوزیکل بینڈز کے پیش کردہ گیت جان نہ ہونے کے سبب رفتہ رفتہ ختم ہو گئے۔ میوزیکل بینڈز کی اس بھیڑ میں چند ایسے بینڈز بھی سامنے آئے جن کے تجربوں میں جان ہونے کے سبب ان تجربوں نے کامیابی حاصل کی، اور نئے امکانات کی نشان دہی کر گئے۔

انھوں نے پیشتر گیت مشرقی اور مغربی موسیقی کے مشترکہ آہنگ میں کمپوز کیے۔ اس نوعیت کے تجربوں کا عوامی حلقوں میں خیر مقدم کیا گیا۔ ان میں سے پیشتر میوزیکل بینڈز اور ان کی شاعری بے حد مقبول ہوئی۔ پھر رفتہ رفتہ اس نوعیت کے گیتوں کو برتنے

میں سلیقہ دکھائی دینے لگا۔ ان میں روایت سے ہٹ کر نئے زاویوں سے اضافے کیے گئے۔ میوزیکل بینڈز کی بھیڑ چال میں یہ گیت کئی اچھے ہاتھوں میں پہنچے اور نئی نسل کے سنجیدہ شعرا ان پر مشق سخن کرنے لگے۔ یہ تمام تجربے قومی گیتوں کے لیے مفید ثابت ہوئے ۔ تجربے نہ ہوتے تو یقیناً گیتوں میں جمود کے اثرات غالب آتے۔ نئے تجربے اس حد تک ہی کافی سمجھے جاتے کہ پرانے تجربوں میں کچھ کمی یا اضافہ کیا جاتا یا پھر سدا بہار قومی گیتوں کو نئی آوازوں اور انداز سے پیش کر لیا جاتا۔ ادب کے لسانی لہجے کی جدت بھری سوچ اور نئے رجحانات نے قومی گیتوں کو ممیز و ممتاز کیا۔ یورپ سے آنے والے جدید تصورات کے زیر اثر جہاں شاعری کی دیگر اصناف میں عورت ایک حقیقی وجود کی شکل میں نظر آئی وہاں قومی گیت بھی ان اثرات سے خالی نہیں رہے۔ یہ تصور جمیل الدین عالی کے لکھے گیت ہم مائیں ہم بہنیں ہم بیٹیاں میں دکھائی دیا۔ تاہم جمیل الدین عالی کے اس تجربے میں اجتماعیت دکھائی دیتی ہے۔ گیت نگار شاعرات اور گیت گانے والی جتنی معروف گلوکارئیں ہیں ان کے گیتوں میں بھی نسائیت کا یہ شعور اجتماعیت کے تابع دکھائی دیا۔ تاہم اکیسویں صدی میں اجتماعی اور تہذیبی پس منظر تبدیل شدہ صورت میں سامنے آتا ہے اور گیتوں کو نسائیت کے بھرپور اظہار سے متعارف کرایا۔ اس طرح گیتوں کو نسائیت کے بھرپور اظہار سے متعارف کیا گیا۔ حسن اکبر کمال کے اس گیت، تیرے سائے میں آئی ہوں، کو پاکستان میں پوپ موسیقی کا نیا جدید باب کھولنے والی گلوکارہ نازیہ حسن نے پاکستان ٹیلی ویژن کے پروگرام دھنک کے لیے گایا۔ اس گیت میں صغیہ تانیث کا استعمال کرتے ہوئے حب الوطنی کے جذبات کا اظہار کیا گیا۔ حب الوطنی کے جذبوں کا یہ نیا طرز احساس خالص انفرادی اور ذاتی ہے۔ اس گیت کے موسیقار جاوید اللہ دتہ تھے اور پروڈیوسر سلطانہ صدیقی تھیں۔ اس گیت کے الفاظ نسائی طرز احساس میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں:

"وطن کی اے فضائے مہرباں، مہرباں
تِرے سائے میں آئی ہوں
تِرے سائے میں رہنا ہے
مِری دنیا، مِرے دل کی تمنا
میں تجھے اپنی جاں کہتی ہوں
مجھے احساس ہے یہ بھی
تِرے ہونے سے میں بھی ہوں
وطن کی اے فضائے مہرباں، مہرباں
تِرے سائے میں آئی ہوں
تِرے سائے میں رہنا ہے"(۳)

ان گیتوں کو دھنوں کے پیش نظر لکھا گیا اس لیے ان میں موسیقیت کو ابھارنے کے لیے تکراری الفاظ اور جملوں کی تکرار سے کام لیا گیا۔ سماجی حالات میں تبدیلی کی وجہ سے روایتی انداز ہمیشہ قابل قبول نہیں رہتے۔ وقت اور حالات کے پیش نظر ان میں تبدیلیوں کے نئے نئے اقدام اٹھائے جاتے ہیں۔ موسیقی میں مغربی تہذیب و ثقافت کا جب عوامی سطح پر خیر مقدم کیا گیا تو گیتوں کے اسلوب، الفاظ کی ترتیب میں بھی بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر تبدیلیاں کر کے شعور کا ثبوت دیا گیا۔ اس گیت میں شدید حب

الوطنی کے شدید جذبے اور مترنم الفاظ سے کام لیتے ہوئے سادگی ساتھ مدعا بیان کیا گیا ہے۔ نیا انداز اپنانے کے باوجود گیت میں حب الوطنی کا وہی شدید جذبہ ملتا ہے جو گیتوں کی جان ہے۔

اکیسویں صدی میں گیت نئی روایات کے پاس دار دکھائی دیے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ گیتوں میں ماضی کی روایات سے انحراف کیا گیا۔ گیتوں میں جہاں روایات سے استفادہ کیا گیا وہاں نت نئے موضوعات اور اسالیب کو بھی جگہ دی گئی۔ مغربی موسیقی کی روایت سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے نئے لہجوں، رجحانات اور انداز کو اپنایا گیا۔ اس روش سے قومی گیتوں کو بے بہا فائدہ پہنچا اور گیت خود اعتمادی سے آگے بڑھنے لگے۔ اس طرز طریقہ سے گیتوں میں مانوس، آزمودہ، جانی پہچانی راہ کو چھوڑ کر نئی راہ اختیار کی گئی۔ مغربی طرز موسیقی لوگوں کے ذہنوں کو اپنی جانب کھینچنے لگی۔ نئے خارجی حالات کے زیر اثر شعرا بعض نئی قدروں کی طرف مائل ہوئے اور گیتوں میں نئے رجحانات سامنے آئے۔ جدت بھرے ان تمام رجحانات کا مقصد بھی قوم کی بھلائی اور بہتری کے ساتھ ساتھ اپنی شہرت اور ہر دل عزیزی بھی تھی۔ یہ رجحانات اس عہد کے شاعرانہ شعور پر حاوی تھے۔

لوگوں کو غیر شعوری طور پر یہ طریقہ عزیز تھا۔ اس طرح گیتوں میں ایک نئے اسلوب کی طرف غیر محسوس انداز میں قدم بڑھائے۔ اس رجحان سے آہستہ آہستہ گیتوں کے اسلوب میں خاموش سنجیدہ تبدیلیاں ہونے لگیں۔ ہر دور ہر مرحلے، ہر وقت اور ہر لحاظ سے زندگی کے متحرک، تغیر پذیر موضوعات و مفاہیم گیتوں کی گرفت میں آگئے۔ شعرا اس نئی صورت حال سے ذمہ داری کے ساتھ عہدہ برا ہونے لگے۔ صحت مند قدروں کی اہمیت سے روشناس کیا گیا۔ گیتوں میں موضوعات، خیالات اور تجربات کی کثرت ہوئی۔ نئی نسل کے شعرا نے مسلسل سعی و کاوش سے گیتوں کو ایک نیا اور معیاری لب و لہجہ دیا۔ گیتوں میں ہیئت کے حوالے سے بھی تنوع دکھائی دیا۔ روایتی اور غیر روایتی ہیئتوں کے التزام کے ساتھ ساتھ تجربات بھی کیے گئے۔ تاہم ہیئتوں میں جدت طرازی کے باوجود ان نئے گیتوں میں روایتی گیتوں کی ہیئت کا بہ طور خاص اہتمام کیا گیا۔ تاکہ ان گیتوں کو موسیقی کا رنگ آسانی سے دیا جاسکے۔

اس لیے پیشتر گیت دھنوں کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھے گئے۔ موسیقی کے خصوصی التزام کے ساتھ ساتھ جذبات و احساسات کا سادگی کے ساتھ بیان کیا گیا۔ موضوع اور زبان و بیان کے لحاظ سے چابک دستی، خوش سلیقگی سے قافیہ ردیف، بحر کی پابندی، موسیقی اور ترنم کے مجموعی اثر سے، الفاظ کی تکرار، صوتی تناسب و توازن، خیال کی کیفیت کے مطابق بعض مصرعوں کو مختصر کرنا اور بعض کو طویل رکھ کر شعریت کا التزام رکھا گیا۔ جذباتی اور فکری عناصر کو گیتوں کی وحدت میں سمو کر فنی ہم آہنگی اور موسیقانہ ربط عطا کرنے میں دسترس حاصل کی گئی۔ حسن اکبر کمال کا لکھا ہوا یہ گیت، اونچی 'بہت اونچی ان ہوائوں میں، جس کی موسیقی معروف بینڈ وائٹل سائنز کے روحیل حیات نے ترتیب دی۔ اس گیت کے پروڈیوسر شعیب منصور تھے۔ یوم فضائیہ کے موقع پر اس گیت کو وائٹل سائنز نے گایا۔ شروع سے آخر تک اس گیت میں مجموعی موسیقانہ وحدت برقرار رہتی ہے اور اپنی جگہ ہر مصرعے میں انفرادی ترنم قائم رہتا ہے۔ موسیقی اور ترنم سے مزین گیت یہ ہے:

"اُونچی 'بہت اُونچی
اِن ہوائوں میں
رہنا ہے زندگی
جینا زندگی!
نیلی فضاؤں سے

ہر دم نگاہوں میں
اپنی زمیں ہے
تیز خیالوں سے اپنی اُڑانیں ہیں
ایک محبت ہے اتنی جانیں ہیں" (۴)

اختصار جو گیتوں کے لیے لازمی وصف سمجھا جاتا ہے موجودہ دور کے گیت نگار شعرا نے اس کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ گیتوں میں ادق علامتوں اور اشاروں کے ذریعے جذبات و احساسات اور خیالات کی عکاسی کی بہ جائے صفائی اور سادگی سے الفاظ کے انتخاب کو اہم قرار دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں مزید وسعت اور رنگارنگی بھرنے کے لیے ابلاغ کے تمام تقاضے بھی اہم قرار پائے۔ مختلف جدید بینڈز جن کی تیز روشنیوں میں رقص کے نام پر بے ہنگم اچھل کود کو کبھی بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی ان کی گائیکی کے کوئی اصول و میعار متعین ہوئے۔ یہی وجہ ہے پاکستان کے ایک بہت بڑے طبقے نے اس نوعیت کی موسیقی اور گائیکی کو سرے سے قبول ہی نہیں کیا۔ مقبول ہونے والے بینڈز نے بھی سنجیدگی سے گائیکی اور موسیقی کی طرف توجہ دی۔ اس حوالے سے کچھ معیارات اور اصول وضع کیے گئے جن کا ماخذ مغربی موسیقی کے ساتھ ساتھ روایتی موسیقی تھی۔ یوں روایتی اور جدید موسیقی کے ملاپ سے موسیقی کا ڈھنگ بدل گیا۔ مغربی تصورات کے زیر اثر پرورش پانے والے ان بینڈز کے توسط سے بہت سے قومی گیت سامنے آئے۔ جنہیں نہ صرف انہی پسندیدگی کی سند ملی بل کہ یہ گیت بے تحاشا مقبول ہوئے اور آج پاکستان میں پیشتر گیت لکھے ہی اس طرز پر جاتے ہیں اور بعد میں انہیں اسی طرح سے فلما کر نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ بینڈز ان ویڈیوز کے نئے میڈیم معاشرے میں متعارف کروا کر جدت بھری نئی رسمیات کو متعارف کروا رہے ہیں۔ فلمائی جانے والی ان ویڈیوز کو سامنے لانے کے لیے بھی پاکستان کے اہم تفریحی مقامات کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ یوں گیتوں کے رس بھرے الفاظ، پاکستان کے مختلف سیر افزا مقامات سے حب الوطنی کا ایک نیا گوشہ وا ہونے لگا۔ اس عمل سے گیتوں میں نہ صرف خارجی مشاہدوں کو اپنے احساس میں سمو کر پیش کیا گیا بل کہ موضوع کو داخلی جذبات سے بھی ہم آہنگ کر دیا گیا۔ اس طرح جذبات کی نرم آنچ نغمگی، الفاظ کا ترنم، مفہوم کا کیف اور موسیقی پیش کرنے میں کامیاب ہوئی جو قومی گیتوں کی شان ہیں۔

اخبارات، رسائل اور جرائد میں چھپنے والے گیتوں کو تعلیم یافتہ طبقہ پڑھ کر سمجھ سکتا ہے اور ان سے لطف اندوز ہو سکتا ہے جب کہ الیکٹرانک میڈیا کے توسط سے سامنے آنے والے گیتوں سے عوام کا ہر طبقہ لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں سامنے آنے والے بینڈز نے جہاں دوسرے گیت گائے وہاں حب الوطنی پر مبنی قومی گیت گانے کا فریضہ بھی ضرور انجام دیا۔ اس طرز کے تمام گیتوں میں زبان کی سادگی اور صفائی کو بہ طور خاص اہمیت دی گئی۔ شاعر اور قارئین میں زبان و بیان کی جو مفاہمت ہوتی ہے وہ بہت توانا ہے۔ صاف زبان، عام فہم تشبیہوں اور استعاروں سے گیتوں کو آراستہ کیا گیا۔ اس طرز فکر نے گیتوں اور فن پر مثبت اثرات ثبت کیے اور شاعری کا راستہ شعور اور فہم و ادراک سے جڑ گیا۔ ان تمام اقدامات سے شاعر اور قارئین میں مفاہمت کا راستہ بر قرار رہا۔ اس طرح کم بصیرت رکھنے والے، کم تعلیم یافتہ بھی شاعر کی زبان اور مفہوم کو با آسانی سمجھنے کی استطاعت رکھتے ہیں، کیوں کہ ان گیتوں میں ابلاغ اور مفاہمت کے تمام تقاضوں کو خصوصی طور پر اہمیت دی گئی۔ ذہنی ترنم اور جذباتی آہنگ کی ترجمانی کے لیے شعر کی زبان میں حس بھرپور قسم کے تناسب، ترنم اور آہنگ کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان گیتوں میں قائم رہتی ہے۔ ان کو پڑھنے اور سننے کے

بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے شاعری میں روح ڈال دی گئی ہو۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ جس اپج کو اختیار کرنے کے بعد وہ لوگوں میں مقبول ہو جائے تو شعرا کے نزدیک بھی وہ انداز عزیز قرار پاتا ہے۔

اس صدی میں قومی گیتوں میں مغربی موسیقی کو برتنے اور طرز ادا کی جدت طرازی سے تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں۔ اس دور تک آتے آتے ہجرت، کرب، حزن و ملال، ماضی کی حسین یادیں، تحریک پاکستان سے وابستہ تلخ حقائق اب بہت پیچھے رہ گئے۔ اکیسویں صدی میں سامنے آنے والی دہشت گردی نے شعر و ادب کو نئی صورت بخشی۔ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء یعنی نائین الیون کے بعد جب اتحادی افواج نے افغانستان پر چڑھائی کی تو بہت سے عسکریت پسندوں نے پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں پناہ لی اور ایسی سرگرمیاں شروع کر دیں جن سے پاکستان میں حالات بہت خراب ہو گئے۔ لفٹیننٹ کرنل عارف محمود شعبہ تعلقات عامہ افواجِ پاکستان کے تعاون سے چھپنے والی کتاب جنونِ رخِ وفا میں ضربِ عضب کے اولین شہدا، ص ۶۴ پر لکھتے ہیں کہ ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۸ء تک جنوبی وزیرستان، فاٹا اور سوات میں ۱۷۷ بڑے اور ۲۶۶ چھوٹے آپریشن کیے جا چکے ہیں۔ ان آپریشنز میں سیکورٹی فورسز کے ۱۴۵۷ افراد نے جام شہادت نوش کیا تھا اور ۳۴۵۹ زخمی ہوئے جن میں کچھ لوگوں کے اعضا بھی ضائع ہوئے تھے۔

شمالی وزیرستان سے اٹھنے والی دہشت گردی کی لہر نے پورے ملک میں تباہی و بربادی کی انتہا کر دی۔ دہشت گردوں نے ہزاروں بے گناہوں کا قتل عام کیا گیا۔ دہشت گردوں کی شمالی علاقہ جات میں مداخلت کے بعد فوجی آپریشن کا آغاز ہوا۔ ہنگامی حالات کے پیش نظر دس لاکھ مہاجرین کا جمِ غفیر پاکستان کے شمالی علاقہ جات سے نکل کر بے گھر ہوا۔ شعر و ادب میں بھی قیام پاکستان کے بعد ایک مرتبہ پھر وزیری مہاجرین کی بے گھری، تکلیف کرب سے ہجرت کا نیا سلسلہ شروع ہوا۔ سوات سے ہجرت کرنے والوں کی بے گھری اور دربدری کو محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ یک جہتی کا بھی مکمل اظہار کیا گیا۔ اس کا ادراک محمد افضل راؤ کے، انہیں پھر وہی سوات دو، میں بہ خوبی ہوتا ہے:

"آؤ مل کر ان کا ساتھ دو
جو مدد کرے وہ ہاتھ دو
یہ اپنی دھرتی کے لوگ ہیں
انہیں زندگی کی سوغات دو
اُنہیں پھر وہی سوات دو
اُنہیں پھر وہی سوات دو"(۵)

اس دور میں پاکستان کا کوئی شہر کوئی علاقہ ایسا نہیں رہا جہاں دہشت گردی کے واقعات سامنے نہ آئے ہوں۔ جہاں مسجدیں، امام بارگاہیں، مندر، گرجاگھر، تعلیمی ادارے، درسگاہیں، مدارس، تفریحی مقامات، پر رونق مارکیٹس، ائر پورٹس، بس اڈے، ریلوے اسٹیشنز مذہبی تہوار، عوامی اجتماعات دہشت گردی کا نشانہ بنے وہاں ملک و قوم کے محافظ بھی دہشت گردی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اس دور میں ملک دشمن عناصر کی جانب سے سیکورٹی فورسز کے اہلکار، پولیس، عساکر پاکستان کو شدید نقصان پہنچانے کی سعی کی گئی۔ بلوچستان آپریشن اور ۲۰۰۶ء میں نواب اکبر بگٹی کی شہادت کے بعد خودکش دھماکوں اور خون ریز حالات میں مزید شدت آئی۔ افغانستان میں بدامنی اور عدم استحکام کا براثر پاکستان پر پڑتا ہے۔ وہاں عدم استحکام کی بہ دولت عموماً پورا پاکستان دہشت گردی کی لپیٹ میں آتا ہے مگر اس کے اثرات پاکستان کے شمالی علاقہ جات اور صوبہ بلوچستان پر براہ راست پڑتے ہیں۔

پاکستان تین دہائیوں تک دہشت گردی کا شکار رہا ہے، لیکن اکیسویں صدی کے پاکستان کو دہشت گردی کی متعدد اقسام کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ ناسور اکیسویں صدی میں مہلک شکل اختیار کر گیا۔ دہشت گردی، انتہا پسندی، فرقہ پرستی پاکستانی معاشرے کے لیے بہت بڑا خطرہ ثابت ہوئی۔ انتہا پسندی محض مذہب، فرقے اور عقائد تک محدود نہیں رہی بل کہ لسانی اور نسلی تعصب کے حوالے سے بھی پاکستانی معاشرے میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہے۔ اس حوالے سے بہت سی اہم قومی، مذہبی اور سیاسی شخصیات کا بہیمانہ قتل کیا گیا۔ ۲۰۱۴ء میں مسجدوں میں جہاں نمازیوں کو تسلسل کے ساتھ نشانہ بنایا گیا، وہاں امام بارگاہوں میں سینکڑوں بے گناہوں کا بے دردی سے خون بہایا گیا۔ اس طرح اسلام کے نام پر مذہب کو استعمال کر کے اسلام کے تصور کو مسخ کرنے کی سعی کی گئی۔ ان حالات میں ایک دوسرے کے مسلک، فرقے اور عقائد کے خلاف نفرت پھیلی۔ جس سے متعدد عصبیتوں، علاقائی اختلاف، فرقہ واریت، نسلی و لسانی تعصبات اور صوبائی مسائل کے رجحانات تیزی سے پروان چڑھے۔ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے اور یہاں کے اندرونی حالات خراب کرنے کے حوالے سے بین الاقوامی دہشت گردی بھی سرگرم عمل ہے جو دہشت گرد تنظیموں کی سرپرستی کر کے ان کو مالی امداد فراہم کرتی ہے۔ پاکستان میں صوبہ بلوچستان اور فاٹا کو اسی نوعیت کی دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ شہروں میں جرائم پیشہ منظم گروہ الگ برسرپیکار ہو کر ملک میں افراتفری پھیلانے میں مصروف ہیں۔ ڈاکے، اغوا برائے تاوان، خواتین کی بے حرمتی انہی پیشہ ور گروہوں کے ذریعے انجام پاتے ہیں جن کی بہ دولت قوم میں خوف اور عدم تحفظ کا احساس پایا جاتا ہے۔ اسلامی روایات و اقدار کے مطابق خواتین اور بچوں پر ہاتھ اٹھانے اور تشدد کی ممانعت ہے۔ پاکستان کے قبائلی علاقہ جات خواتین اور بچوں کے احترام و شفقت کے حوالے سے بہت حساس ہیں۔ صوبہ بلوچستان میں سالہا سال چلنے والی قبائلی دشمنیاں خواتین کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ترک کر دی جاتی ہیں۔ دو قبائل میں اگر جنگ جاری ہو اور کوئی عورت اپنی چادر ڈال دے تو اس چادر کی حرمت کا پاس رکھتے ہوئے نہ صرف جنگ ختم ہوتی ہے بل کہ دونوں قبائل شیر و شکر ہو کر جنگی معاملات ترک کر دیتے ہیں۔ مگر اکیسویں صدی میں ہونے والی دہشت گردی نے خواتین کا احترام بجالانے والی ان اسلامی و تہذیبی اقدار کو بھی یک سر بدل ڈالا۔ بلوچستان میں خواتین کی واحد جامعہ جس میں تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز ایک بہت بڑی خوش گوار تبدیلی تھی۔ بلوچستان میں مخصوص قبائلی نظام اور ماحول کی بہ دولت بہت سی خواتین شدید خواہش رکھنے کے باوجود تعلیمی سلسلے کو خیر باد کہہ دیتیں۔ اس جامعہ کے قیام نے بلوچستان کے دور دراز پس ماندہ علاقوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کے لیے تعلیمی راہوں کو ہموار کیا۔

۱۶ جون ۲۰۱۳ء کو صوبہ بلوچستان کی سردار بہادر خان ویمنز یونیورسٹی کی بس پر ریموٹ کنٹرول بس سے حملہ کیا گیا جس میں ۱۴ طالبات شہید ہوئیں۔ اسی دن بولان میڈیکل ہسپتال پر خودکش حملہ اور فائرنگ کی گئی جس کے نتیجے میں ڈپٹی کمشنر، ایف سی اہلکار سمیت کئی نرسیں شہید ہوئیں۔ ان حملوں کا مرکزی نشانہ خواتین تھیں۔ اکیسویں صدی کے گیتوں کا تخلیقی سفر گیتوں میں نسائی شعور کی کارفرمائی کے ساتھ، نرمی اور خودکلامی کی تبدیلی بھی لاتا ہے۔ جس میں اعلیٰ انسانی قدروں کی شکستگی اور مثبت روایات کے لٹ جانے کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ان میں بدیسی ادبی تحریکوں کے اثرات بھی سندر کلیاں، اکھیاں، سکھیاں، مرجھائی کلیاں، علم و دانش کی شمعیں جیسی علامتوں کے عقب میں دکھائی دیے۔ اس کیفیت کی عکاسی صدف غوری کے لکھے، سانحہ خواتین یونیورسٹی میں ہوتی ہے۔ علامتوں کے وسیلے ان اقدار و روایات کی تبدیلی پر استفہامیہ انداز میں کہتی ہیں:

"وہ کلیاں کتنی سندر تھیں؟
وہ کچھ شمعیں تھیں دانش کی

وہ ملک و قوم کی بہنیں
جو پل بھر میں ہیں مر جھائی
وہ سکھیاں کتنی سندر تھیں؟
وہ اکھیاں کتنی سندر تھیں؟"(۶)

۱۵ جون ۲۰۱۴ء کو پاکستان میں آپریشن ضرب عضب کا آغاز کیا گیا۔ شمالی وزیرستان میں ضرب عضب کا فیصلہ پاکستان کی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۶ دسمبر جس میں پاکستان کو دو بڑے سانحات سے گزرنا پڑا۔ سقوطِ ڈھاکہ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ع اور دوسرا سانحہ آرمی پبلک کا اندوہناک واقعہ جس نے پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا۔ دشمنوں کی کوئی اخلاقی اقدار نہیں ۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ع کو آرمی پبلک سکول پشاور کے معصوم بچوں پر ہونے والے خونی اور بہیمانہ حملے نے جہاں ہر آنکھ سے اشک رواں کیے وہاں گیتوں کے توسط سے پاکستانی معاشرے میں پھیلی دہشت گردی، افراتفری اور خونی مناظر کو سامنے لایا گیا۔ عصری حسیت ان گیتوں کا امتیازی وصف ہے۔ ان کے توسط سے پاکستان میں برپا دہشت گردی اور معاشرتی بے حسی کی حقیقی مرقع کشی کی گئی۔ گیت وقت حالات، جبر و کرب کا اظہار کرنے میں مکمل گرفت رکھتے ہیں۔ عصری کوائف اور زمینی حقائق کی جانب کامیابی سے قدم بڑھاتے ہیں۔ اس کی مثال عمران رضا کے لکھے ہوئے اس گیت سے دی جاسکتی ہے۔ بڑا دشمن بنا پھرتا ہے جو بچوں سے لڑتا ہے، اس گیت میں نیا انداز و اسلوب ہے۔ مناسب و موزوں الفاظ، دل کش لب و لہجے میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ عوامی زبان ہے جو ہر عام و خاص کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے۔ یہ گیت بچے بچے کی زبان پر ہے۔ اس گیت کی موسیقی ساحر علی بگا نے ترتیب دی جب گانے والے گیارہ سالہ گلوکار اذاں نے اپنی پر سوز آواز سے گیت میں گویا جان بھر دی۔ صوفی تبسم کے لکھے پنجابی گیت ایہہ پتر ہٹاں تے نئیں وکدے کی طرح اس گیت کو سننے کے بعد کون سی ایسی آنکھ ہو گی جو اشک بار نہ ہوئی ہو:

"وہ جب آتے ہوئے مجھ کو گلے تم نے لگایا تھا
امان اللہ کہا مجھ کو میرا بیٹا بُلایا تھا
خدا کے امن کی راہ میں کہاں سے آگیا تھا وہ
جہاں تم چومتی تھی ماں وہاں تک آگیا تھا وہ
میں ایسی قوم سے ہوں جس کے بچوں سے وہ ڈرتا ہے
بڑا دشمن بنا پھرتا ہے جو بچوں سے ڈرتا ہے" (۷)

تحریک پاکستان کی جدوجہد کے دوران قومی گیت نگاری میں مردوں کے مقابلے میں خواتین نے کم ہی حصہ ڈالا۔ اس حوالے سے بیگم نواب محمد اسماعیل، سیدہ نیر جہاں شجاع، صفیہ شمیم ملیح آبادی، فاطمہ بیگم صاحبہ، کشور سلطانہ شیریں، مسرت جہاں صدیقی جیسی گنتی پر مشتمل خواتین نے گیت لکھے۔ پاک بھارت جنگوں کے دوران ادا جعفری، پروین فنا سید، رابعہ فخری، رشیدہ سلیم سیمیں، عقیلہ شاہین، کشور ناہید نے قومی گیت نگاری میں اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ تاہم یہ تعداد بھی مردوں کے لحاظ سے بہت کم ہے، لیکن اکیسویں صدی میں اس رجحان میں تیزی آئی۔ شعری مجموعے جب تجھے روشنی کی ضرورت پڑی جو شعبہ تعلقات عامہ افواجِ پاکستان کے تعاون سے ۲۰۱۸ع میں ہلال پبلی کیشنز سے چھپا۔ اس مجموعے میں، درِ شہوار حسین، ڈاکٹر غزالہ خاکوانی، کوثر ثمرین، کیپٹن قراۃ العین، فاخرہ بتول، نمرہ احمد، عطیہ خالد، سمیعہ نعمت، ڈاکٹر عظمیٰ سلیم، ربیعہ مقصود، غزالہ انیس، ڈاکٹر فوزیہ چوہدری نے گیت لکھے۔ سانحہ پشاور کے

بعد تو ہر ماں اور ہر بہن نے گیت لکھ کر اپنے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کیا۔ سانحہ آرمی پبلک سکول (شہید ماں کی پکار)، میں ڈاکٹر شاہدہ اسرار ایک ماں کے احساسات ان الفاظ میں رقم کرتی ہیں:

"تجھ پہ گزرا ہو الم مجھے رُلاتا ہے
تپتے صحرائوں کی حدت میں کھینچ لاتا ہے
پَر مجھے فخر ہے اے آنِ وطن جانِ وطن
کہ میری آنکھ کا تارا بنا ہے مانِ وطن
میرے شہید میرا فخر میرے لختِ جگر
میری مٹی پہ تیرا پاک لہو شانِ وطن "(۸)

سانحہ اے پی ایس پشاور کو قوم کے ہر فرد نے محسوس کیا۔ تاہم بحیثیت ایک ماں کے ان معصوم بچوں کا بہیمانہ اور سفاکانہ قتل انہیں رنجور کر دیتا ہے۔ خواتین اس سانحے سے شدت سے متاثر ہوئیں اور ہر ماں نے ان بچوں میں اپنے بچوں کا عکس دیکھا۔ صدف غفوری ،۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ء سانحہ پشاور میں لکھتی ہیں:

"کتابیں بھی اشک بار ہیں چھلنی چھلنی کمروں میں
آنکھیں بھی اشک بار ہیں چھلنی چھلنی کمروں میں
بکھرے خواب ہیں جابجا پھولوں اور کلیوں کے
مائیں بھی اشک بار ہیں چھلنی چھلنی کمروں میں
پُکارتا ہے اب بھی لہو خشک ہو کر زمین پر
صدائیں بھی اشک بار ہیں چھلنی چھلنی کمروں میں "(۹)

سانحہ پشاور کے تناظر میں لکھے گیتوں میں فکری تقاضوں کے مطابق آواز کی سچائی کی تلخی، شعری تہ سے ابھر کر الفاظ کے دریا میں بہتی ہے۔ کرب، غم، دکھ، ظلم و ستم، قتل و خون کے قصے، معصوم بچوں کا ناحق بہایا گیا لہو اور شہادت کی نئی اور انوکھی رقم ہونے والی داستان اس موضوع پر تحریر ہونے والے گیتوں میں نمایاں طور پر جگہ پاتے ہیں۔ مریم خاتون، شہدائے پشاور کے نام، میں عہد حاضر کی اس نئی شکستگی اور بدامنی کو اس طرح واضح کرتی ہیں:

"اے معصوم، تجھ پہ ہوئے ظلم نے
ہمارے دلوں کو جلا دیا
تجھ پہ گزرے درد ناک لمحوں نے
جانے کتنے گھروں کو اجاڑ دیا
تیری معصوم چیخوں نے
مجھے ظلمت کا مطلب سمجھا دیا
تیرے لہو کے ایک ایک قطرے نے
ہمیں قرباں ہونا سکھا دیا" (۱۰)

ڈاکٹر شمیم کوثر سانحہ پشاور پر حیرت زدہ ہیں اور ان کے دل مضطرب میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ نجانے اس سنگ دل انسان نے تجھ سے مثل گلاب کو کیسے مسلا ہو گا؟ سانحہ پشاور پر سوال کے عنوان سے لکھے گیت میں حیرت و استعجاب سے گزرتے ہوئے اس پتھر دل انسان کی بربریت پر غم کا اظہار کرتی ہیں۔ اس سانحے پر، نیلی آنکھوں والے شہزادے، میں نہ صرف خود کو بل ان تمام ننھے شہدا کی مائوں کو دلاسہ دیتی ہیں:

"روئے گی اس کی ماں بھی جس نے تجھے مار ڈالا
فرق یہ ہو گا ان کا جگر دوزخ کا ایندھن اور تو جنت کا پھول ہو گا" (۱۱)

سانحہ اے پی ایس پشاور کے بعد ملک میں تعلیمی سرگرمیاں خصوصا متاثر ہوئیں۔ خوف و ہراس نے ایسا سماں پیدا کر دیا کہ والدین بچوں کے معاملے میں عدم تحفظ کا شکار ضرور ہوئے مگر یہ اثرات بھی وقتی ثابت ہوئے۔ ہمیشہ کی طرح اس قوم نے اپنے عزم و استقلال کو کم زور نہیں ہونے دیا اور ایک دن سحر ہو گی کی امید میں روشن صبح کے منتظر رہے۔ دشمنوں کے عزائم سے نبٹنے کا حوصلہ اور ولولہ ہی روشن مستقبل کا ضامن ہے۔ عزم و حوصلے کا علم بلند کرتے ہوئے، دہشت گردوں کے نام، میں صدف غوری ان ملک دشمن عناصر کو پیغام دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

"تم نے کاری ضرب لگائی
علم کی جلوہ گاہوں پر
تم کو یہ معلوم نہیں
یہ وہ تخم ہیں عالیشان
جب حالات مساعد ہوں تو
یہ پھر سے اگ بھی سکتے ہیں" (۱۲)

سانحہ پشاور نے معصوم بچوں کے خون سے رنگنے والی نئی تاریخ کا باب رقم کیا۔ ان ننھے شہدا نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے نئی روایت کی طرح ڈالی۔ دہشت گردی کے اس انوکھے بہیمانہ وار پر شہید کی تسلی (سانحہ آرمی پبلک سکول ۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ع) میں ڈاکٹر شاہدہ اسرار نہ صرف ان ننھے شہدا کو خراج تحسین پیش کرتی ہیں بل کہ غم زدہ والدین اور قوم کا حوصلہ ان الفاظ میں بڑھاتی ہیں:

"فخر کر مجھ پہ کہ شامل میں شہیدوں میں ہوا
دہر میں عزت و عظمت کی کرن بن کے چلا
ناز ہے خود پہ کہ اِس عمر کی نو عمری میں
جان دے کر میں شہادت کی کرن بن کے چلا
دیکھ اب تک میں سرِ دست دُعا رہتا ہوں
دل کے آنگن میں عبادت کی کرن بن کے چلا
آج خوش ہوں کہ سبھی میرے لئے آئے ہیں
ان کی سوچوں کی عنایت کی کرن بن کے چلا

اے وطن میرا لہو کام تو آیا تیرے
میں تعصب میں محبت کی کرن بن کے چلا" (۱۳)

اکیسویں صدی میں پاکستان کا شاید ہی کوئی ایسا علاقہ ہو گا جہاں خود کش حملہ نہ ہوا ہو، مگر قوم نے ان حملوں کو صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کیا۔ شعر و ادب میں بھی خود کش حملوں پر کثرت سے لکھ کر مذمت کی گئی، مگر کچھ شعرا کے ہاں خود کش حملوں کی ترغیب کی گئی، مگر ترغیب دینے کا طریقہ قومی گیتوں کی نئی رسمیات کے تابع کچھ اس طرح دکھائی دیا۔ پروفیسر عصمت جمال کے خود کش حملے کرو میں ان حملوں کی ترغیب اس انداز سے دیتی ہیں:

"تعلیمی اداروں پر نہیں جہالت کی تاریکی پر
فوجی تنصیبات پر نہیں دشمن کی عیاری پر
مذہبی جلوس پر نہیں فرقہ پرستی کی بیماری پر
معصوم شہریو ں پر نہیں بڑھتی ہو ئی بے روزگاری پر
مدرسہ مساجد پر نہیں اپنی بے راہ روی کی لاچاری پر
معصوم بچو ں پر نہیں منشیات کی آبیاری پر" (۱۴)

پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں ہونے والے آپریشن کے دوران پاک فوج کے بہت سے افسروں اور نوجوانوں نے جرات اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ قومی گیتوں میں وطن کی خاطر جامِ شہادت نوش کرنے والوں کو ہمیشہ خراج تحسین پیش کیا گیا۔ تاہم آپریشن المیزان جو ۲۰۰۲ء سے شروع ہوا، سے لے کر ردالفساد تک جو ۲۰۱۷ء سے تاحال جاری ہے، کے تناظر میں قومی گیتوں میں ماضی کی روایات کو نئی تاریخی روایت میں جوڑ دیا گیا۔ شہدا کو خراج تحسین پیش کرنے کے حوالے سے نئے شعرا نے اپنے تاریخی شعور اور بصیرت کی بہ دولت حال کی شعری روایات کو ماضی روایت سے ہم آہنگ کر کے شہادت پانے والوں کو خراج تحسین پیش کرنے کا نیا باب کھولا۔ میرے شہدائے وطن، میں رحمان خاور شہادت کے رتبے پر فائز ہونے والوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہے تمھارے خون سے رنگیں وطن کی داستاں
تم سے پائیں داستانِ زندگی نے سرخیاں
تم ہو باطل کے اندھیرے میں صداقت کی کرن
میرے شہدائے وطن !
اے میرے شہدائے وطن !
تم سے زندہ اور پائندہ وطن کا بانکپن" (۱۵)

اکیسویں صدی تک آتے آتے گیتوں میں بہت سی تبدیلیاں فنی اور فکری دونوں زاویوں سے آئیں۔ ان تبدیلیوں کے باعث گیتوں میں نئے امکانات کا آغاز ہوا۔ ان میں آگہی اور شعری رویے کے منفرد پہلو ترتیب پاتے ہیں، جن کے توسط سے قوم میں قومی اقدار کی سربلندی کی سعی دکھائی دیتی ہے۔ ان کے ذریعے سے نئی نسل کی تربیت کا فریضہ انجام دیا گیا۔ اکیسویں صدی میں پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں دہشت گردوں کی سرکوبی کے لیے شروع ہونے والا ضرب عضب دشمن کے لیے قہر و غضب کی علامت قرار

پایا۔ یہ عوامل شعرا کی فکر و سوچ پر اثر انداز ہوئے جنہوں نے ضرب عضب کے موضوع پر لکھنے کے لیے ایک تحریک پیدا کی۔ ان حالات و واقعات کو گیتوں میں تجسیم کر کے تعمیری جذبات و احساسات کو فروغ دیا گیا۔ اس حوالے سے جو گیت تخلیق کیے گئے ان میں مثبت اور متوازن سوچ کا اظہار ہوتا ہے۔ ۲۰۱۴ء کو آئی ایس پی آر نے آنحضور ﷺ کی تلوار عضب سے منسوب آپریشن ضرب غضب کے حوالے سے قومی گیت نعرہ تکبیر اللہ ہو اکبر جاری کیا۔ للکارا ہے تم نے بہادر قوم کو اے دشمن، یہ ضرب عضب، یہ گیت بھی آئی ایس پی آر نے اسی تناظر میں جاری کیا جس کے شاعر میجر عمران رضا ہیں۔ فاخرہ بتول نے آپریشن ضرب عضب کے لیے یہ ضربِ عضب، ضربِ عضب، ضربِ عضب ہے، میں اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"ہم امن کے پرچار ہیں اب جنگ لڑیں گے
اس دھرتی پہ جینا ہے تو اب اس پہ مریں گے
اس چاند، ستارے سے وفا اپنا نسب ہے
یہ ضربِ عضب، ضربِ عضب، ضربِ عضب ہے"(۱۶)

اکیسویں صدی میں جہاں پاک بھارت جنگوں میں شہادت پانے والے شہدا کو خراج تحسین پیش کرنے کی روایت تسلسل کے ساتھ ملتی ہے وہاں اس صدی میں وطن کی خاطر جام شہادت نوش کرنے والوں سے خراج عقیدت کے اظہار کی نئی روایت کا آغاز ہوا۔ ۸ اگست ۲۰۱۶ء کو صوبہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں ہونے والے خودکش دھماکے میں ۶۹ افراد شہید ہوئے۔ شہید ہونے والوں میں ۳۴ وکلا تھے۔ اس بربریت کا شکار کوئٹہ کا ہر دوسرا گھرانہ ہوا۔ صوبہ جو ایک طویل مدت تک ناخواندگی، غربت، افلاس اور بے چارگی کا شکار رہا۔ حالات کسی قدر اطمینان بخش ہونے لگے تھے مگر ۸ اگست کو یہ صوبہ پڑھے لکھے، روشن خیال طبقے کی ایک کثیر تعداد سے محروم ہو گیا۔ اس بربریت، درندگی اور دہشت گردی نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں کو متاثر کیا وہاں شعر و ادب پر بھی گہرے اثرات ثبت کیے۔ لے کر کالے کوٹ میں سکھ کو، صدف غوری، ہنستے مسکراتے چہروں پر ٹوٹنے والی قیامت اور لہو کی بہتی ندیاں دیکھ کر اس سانحہ کی منظر کشی اس طرح کرتی ہیں:

"لہو لہو میں لکھوں کیسے
لہو لہو میں دیکھوں کیسے؟
یہ کہانی پوچھوں کیسے
علم و ہنر کے تھے وہ خزانے
مہر و وفا کے تھے وہ ترانے
چھوڑ گئے جو پیچھے رونا
آگے بھی تو کچھ نہیں ہونا
وہ نکلے تھے بانٹنے دکھ کو
لے کر کالے کوٹ میں سکھ کو"(۱۷)

قومی گیتوں میں پاکستان کے خوب صورت مقامات اور خوب صورت مناظر کی تصویر کشی کی گئی وہاں دہشت گردی سے متاثر ہونے پر ان علاقوں کی تباہی و بربادی کا نوحہ بھی پڑھا گیا۔ پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں ہونے والی ان فوجی آپریشن، دہشت گردوں

کی تخریبی سرگرمیوں اور افراتفری، فسادات سے پاکستان کے جنت نظیر علاقے ویرانے میں بدل گئے۔ شعرا نے اس علاقے کی دل کشی ،خوب صورت مقام کی بربادی اور ویرانے میں تبدیلی سے متعلق اپنے جذبوں کا اظہار پر سوز الفاظ میں کیا۔ ڈاکٹر جمال نقوی نے اکیسویں صدی میں دہشت گردی کے اس المیے کو، المیہ سوات میں بیان کیا ہے جس کے تحت دہشت گردوں کی بے رحمی اور سفلی کاروائیوں سے یہاں کا نقشہ یک سر بدل گیا:

"اے وادی سوات نظر کس کی کھا گئی
دہشت کی یہ جو کالی گھٹا تجھ پہ چھا گئی
تو،تو سبھی کے قلب و نظر کا سرور تھی
اور اب جو تجھ کو دیکھا تو زخموں سے چور تھی" (۱۸)

دہشت گردی کی اس فضا اور الم ناک ماحول کے باوجود پاک فوج اور قوم نے ہمت اور عزم و استقلال سے حالات کا مقابلہ کیا۔ ان حالات کے نتیجے میں شعرا کی فکر و سوچ کے دائرے بھی وسیع ہوتے رہے۔ اس وسعت اور کشادگی نے گیتوں کو نئے زاویوں سے آشنا کیا۔ اس طرح نہ صرف نئی فکری روش کے مظاہر دیکھنے کو ملے بل کہ عالمی طور پر آفاقیت کی جانب پیش رفت کا آغاز ہوا۔ یوں قومی گیت نگاری نئے رجحانات اور رسمیات سے آگاہ ہوئی۔ شعرا نے ترسیل اور ابلاغ کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے پاکستان میں خوش گوار اور تاریک پہلوئوں کو گیتوں میں نئے انداز و رنگوں کے ساتھ پیش کیا۔ نئے تجربوں کے بطن سے مختصر، آزاد، نثری نما گیتوں کا آغاز ہوا۔ ان میں نئے افکار و خیالات کو بیان کیا گیا۔ اس رجحان کے تحت روایت سے وابستگی کے ساتھ ساتھ نئے اسالیب و اظہارات کو برتا گیا۔ ان گیتوں کے لب و لہجے میں تازگی اور موضوعات میں جدت ہے۔ یہ تمام گیت سیدھی سادی اردو میں لکھے گئے۔ اکیسویں صدی میں قومی گیت معاشی و سماجی پہلوئوں کے تمام کڑیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان میں ادبی و عوامی دونوں پہلوئوں پر توجہ دی گئی ہے۔ ان میں حب الوطنی، انسان دوستی، بے انصافی، دہقانوں اور کسانوں کے معاملات و مسائل پر بھی اظہار خیال کیا گیا۔ ان کی پیش کش منفرد انداز میں ہونے لگی۔ سانحہ پشاور کے تناظر میں میجر عمران رضا کا گیت مجھے دشمن کے بچوں کو پڑھانا ہے، ایک مثبت نظریہ ہے جو اکیسویں صدی میں سامنے آیا۔ جنگ، فسادات، خون ریزی سے بے زاری کا تاثر ابھرا۔ نئی نسل کے شعرا کے ذہن میں ایک ایسی تعمیری سوچ جنم لے رہی ہے جسے اس سے قبل بالکل فراموش کیا گیا تھا۔ وہ دہشت گرد جو نہ تو خود انسان تھا اور نہ ہی اس کا کوئی خدا تھا۔ ایسے بے رحم اور سفاک دشمن سے بدلا لینے کے لیے جس سوچ کا اظہار کیا گیا، یہ نووارد رسمیات ہیں۔ ورنہ اس سے قبل دشمنوں سے بدلہ لینے کے لیے ان پر قہر بن کر ٹوٹنے کی دعوت دی جاتی رہی، مگر اب خواب نوچنے والے دشمن سے بدلہ لینے کی انوکھی رسم دشمن کو بچوں کو پڑھانے کی صورت میں سامنے آئی۔ میجر عمران رضا، مجھے دشمن کے بچوں کو پڑھانا ہے، جیسے گیت نئی رسمیات کے تابع وہ گیت ہیں جن سے مثبت اور متوازن سوچ کا اظہار ہوتا ہے:

"قلم کی جو جگہ تھی

وہ وہیں ہے

پر اُس کا نام تک باقی نہیں ہے
قلم کی نوک پہ نقطہ ہے کوئی
جو سچ ہو وہ بھلا رُکتا ہے کوئی

وہ جس بچپن نے تھوڑا اور جینا تھا
وہ جس نے ماں تمھارا خواب چھینا تھا
مجھے ماں اُس سے بدلا لینے جانا ہے
مجھے دشمن کے بچوں کو پڑھانا ہے"(۱۹)

اکیسویں صدی کے آغاز میں تخلیق کیے جانے والے ان گیتوں کو مغربی یعنی تیز، ہیجان انگیز، بلند اور دھیمی، نرم مشرقی موسیقی سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا گیا۔ کلاسیکی اور جدید موسیقی کے ملاپ سے پیش کیے جانے والے ان گیتوں کی طرز ہی بدل گئی۔ اگرچہ ان کی پیش کش کا انداز مغربی اثرات کا نتیجہ تھا مگر داخلی سطح پر یہ گیت پاکستانی مزاج، روایات و اقدار کے امین ہیں۔ قومی گیتوں میں شہدا پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ کیوں کہ وطن کی حفاظت پر معمور عزم و استقلال، سراپا خلوص و صداقت، ایثار و قربانی کا پیکر، یہ جیالے جواں، حق دار ہیں اس بات کے کہ ان کی عظمت کا اعتراف کیا جائے۔ جنھوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے وطن کی حفاظت کا اہم قومی فریضہ انجام دیا۔ تاہم اکیسویں صدی میں شہادت پانے والوں کے لیے نیا پیرائیہ اظہار اختیار کیا گیا۔ اس حوالے سے روایتی طرز اسلوب اور طرز بیان پر چلنے کے برعکس نئی روش اختیار کی گئی۔ وطن کی حفاظت پر معمور سپاہیوں میں سے کوئی سلامت آتا ہے اور غازی کہلاتا ہے اور کوئی سبز ہلالی پرچم کا کفن پہنتا ہے۔ میجر عمران رضا، جو ہو جاتی ہے ماں راضی، میں جدت اور سلیقے سے شہید ہونے والوں کے لیے پرچم میں لپٹے ہیں کی شعری اصطلاح اختراع کرتے ہیں:

"ہل جاتی ہے ہر دستک پر　　ماں کو لگتا ہے میں آیا
کوئی پیارا ہے مجھے آپ سے بھی　　میں بابا سے یہ کہہ آیا
گھر بار ہے میرا ابھی پیچھے　　پر آگے بھی گھر میرا ہے
میں جی لوں گا اندھیروں میں　　پر میرے بعد سویرا ہے
اس گھر کی ساری خوشیوں کو　　اِک بار نہ گھبرانے دیں گے
اِک سوچ بُری بھی سرحد سے　　اس پار نہیں آنے دیں گے
کبھی پرچم میں لپٹے ہیں　　کبھی ہم غازی ہوتے ہیں
جو ہو جاتی ہے ماں راضی　　تو بیٹے راضی ہوتے ہیں"(۲۰)

اس گیت کو آئی ایس پی آر نے جاری کیا۔ گلوکار و موسیقار عاطف اسلم ہیں۔ گیت کا موضوع وہی پرانا ہے جو گیتوں میں کئی مرتبہ برتا گیا، لیکن زبان و بیان، لہجہ، طرز احساس کے حوالے سے روایتی رویے میں تبدیلی دکھائی دی۔ گیت میں برتے جانے والے الفاظ و علامات میں تبدیلی کر کے مفاہیم کو عصری حالات کے تناظر میں وسعت دی گئی۔ وطن کی حفاظت پر معمور سپاہی کے حصے میں دو اعزاز آتے ہیں۔ غازی بن کر لوٹنا یا پھر شہادت کے رتبے پر فائز ہونا، وہ ان دونوں پہلوؤں سے دوچار ہونے پر مسرت محسوس کرتا ہے۔ یہاں پرچم میں لپٹے شہید کا جسد خاکی اور گھر کی اصطلاح منفرد اور توجہ کی حامل ہے۔ پہلی کے توسط سے وطن کی خاطر جان دینے والا سپاہی اور پاکستانی پرچم دونوں گھل مل کر تقدس اور تفاخر کے اس پاکیزہ روپ کا سراغ ملتا ہے جو سرزمین وطن کی حفاظت پر مامور کسی شہید کے حصے میں آتا ہے۔ ایک سپاہی کے کندھوں پر دو گھروں کی ذمہ داریاں ہوتیں ہیں۔ دونوں گھروں کی قدر مشترک یہ ہے کہ ایک طرف جنم دینے والی ماں سے وابستگی ہے تو دوسری طرف اس کے نصب العین کی بنیاد ارض پاکستان سے محبت اور جذباتی وابستگی پر

استوار ہوتی ہے۔ ایک طرف گھر میں دروازے پر اٹھنے والی ہر دستک سے جنم دینے والی ماں، بیٹے کی آمد کی منتظر رہتی ہے۔ تو دوسری طرف اس کی شناخت بنانے والا گھر جو دھرتی ماں ہے، سپاہی کے لیے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس گھر کے لیے ہر قسم کے ایثار کو مقدم رکھتا ہے۔ اس گیت میں اظہار کے لیے ایسا پیمانہ وضع کیا گیا ہے جس سے حب الوطنی کے فرائض کی بلندی اور وسعت کا اظہار ہوتا ہے۔

اکیسویں صدی میں لکھے جانے والے گیتوں میں حب الوطنی کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ جدید طرز اظہار سے قریب تر ہو کر عصری تقاضے بھی پورے کیے گئے۔ ان گیتوں میں اسلوب کے حوالے سے بھی بہت سی تبدیلیاں در آئیں ۔ اکیسویں صدی میں اٹھنے والی اس نئی دہشت گردی کی لہر میں پاک فوج کے جوانوں، سپاہیوں، غازیوں اور مجاہدوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے حوالے سے بھی نئے رجحانات سامنے آئے۔ اب گیتوں میں وطن کے پاسبانوں کی جرات اور جذبہ حریت کو دہشت گردی کے تناظر میں دیکھتے ہوئے راجہ غلام عباس، خراجِ عقیدت میں اس طرح سراہتے ہوئے سلام پیش کرتے ہیں:

"وطن کے شیر جوانوں پاسبانوں تمھاری جرات کو سلام
پوری دنیا میں کر دیا تم نے پاکستان کا روشن نام
دہشت گردوں نے کر دیا تھا پوری دنیا میں ہمیں بدنام
یہ تو سراسر تھا وطن دشمنی کا ہی ایک پیغام
دہشت گردوں نے کر دیا تھا محب وطن لوگوں کا جینا حرام
وطن کے شیر جوانوں پاسبانوں تمھاری جرات کو سلام" (۲۱)

دہشت گردی کے اس عروج کے با وجود ان نئے گیتوں میں توپ ، گولے ،بم دھماکے،لاشوں، مردے،خوف کے برعکس، آغوش، آنسو قلم ،بستہ ، چراغ،خواب، دستک، روشنی، کتاب، مٹی کے تعویذ جیسے نرم، سادہ پر خلوص جذبوں میں گندھے مثبت الفاظ کا استعمال کیا گیا۔ جدت سے آراستہ ان گیتوں میں ایک ایسا جہان دیکھنے کو ملا جس میں دہشت کی بہ جائے ایک مانوس، محبت میں گھلا اسلوب نرمی کے ساتھ ابھرتا ہے۔ دہشت گردی، جبر و استحصال کے خلاف آواز بلند کر کے نئے صحت مند اخلاقی قدروں اور نظریوں سے گیتوں کو آراستہ کر کے آگے بڑھایا گیا۔ یہ گیت اپنے عہد کے فکر و احساس سے مربوط نظر آتے ہیں۔ ان میں تعمیر و تشکیل کے بے شمار پہلو نظر آئے۔ نئے راستوں کے انتخاب سے گیتوں میں جدت اور تازگی دکھائی دی۔ موسیقی کے مختلف نئے بینڈز نے گیتوں کو جدت پسندی اور نئی رسمیات سے روشناس کیا جن میں مغربی موسیقی کے اثرات نمایاں ہیں۔ نئی نسل کے شعرا نے عوام کی پسندیدگی کو مد نظر رکھتے ہوئے جو گیت تخلیق کیے، ان میں مغربی دھنوں کو بطور خاص ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ عام الفاظ اور ہلکے پھلکے انداز سے جذبات و احساسات کو جگہ دی گئی ۔ ان عام لفظوں کی تہ میں جذبات و احساسات کا اضطراب جھلکتا ہے۔ بھاری بھر کم الفاظ کی بہ جائے سبک اور شگفتہ اسلوب سامنے لایا گیا۔ انداز و اسلوب کی تبدیلی کے باوجود وطن سے محبت کا جذبہ ایک ہی ہے۔ اس نئے شگفتہ اور ہلکے پھلکے اسلوب میں نئے امکانات تلاش کر کے گیتوں کو وسعت دی گئی۔ اکیسویں صدی کے گیتوں میں الفاظ کی جدت تراش، خیال کی ترسیل سے اظہار کی نئی جہتیں اور پیمانے سامنے لائے گئے۔ ہئیت کے نئے تجربوں اور ابلاغ کے نئے سانچوں کو وضع کر کے جدید اظہار اور طریقہ کار سے قومی گیت جدت اور نئی رسمیات سے آشنا ہوئے۔

حوالہ جات

۱۔ خرم سہیل، سُرمایا (عہد حاضر کے روایتی اور جدید گلوکاروں، موسیقاروں اور گیت نگاروں کے انٹرویوز کا مجموعہ)، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص:۱۹۸

۲۔ خرم سہیل، ایضا، ص:۲۲۵

۳۔ حسن اکبر کمال، خوشبو جیسی بات کرو، کراچی، آر' کے پبلشرز، ۱۹۹۹ء، ص:۳۴

۴۔ حسن اکبر کمال، ایضا، ص:۲۷

۵۔ محمد افضل راؤ، انہیں پھر وہی سوات دو، مشمولہ، ماہ نامہ ہلال، آئی ایس پی آر، راولپنڈی پاکستان، جلد ۴۶، شمارہ ۱، ۲۰۰۹ء ص:۳۸

۶۔ صدف غوری، نین جزیرے، کراچی، رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص:۵۱

۷۔ عمران رضا، بڑا دشمن بنا پھرتا ہے جو بچوں، مشمولہ جب تجھے روشنی کی ضرورت پڑے، آئی ایس پی آر، مرتب، راولپنڈی، ہلال پبلی کیشنز ۲۰۱۸ء، ص:۱۴

۸۔ شاہدہ، اسرار، ڈاکٹر، مہکتی دھرتی سلگتی سانسیں، پشاور، نیو اتفاق پرنٹنگ پریس، ۲۰۱۵ء، ص ۱۱۳

۹۔ صدف غوری، شہر خیال، لاہور، طلوعِ اشک ۲۰۱۸ء، ص:۲۹

۱۰۔ مریم خاتون، عالیہ Tteagan، راولپنڈی، رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص:۲۵

۱۱۔ شمیم کوثر ڈاکٹر، نیلی آنکھوں والے شہزادے، مشمولہ آب رواں ، مجلہ گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج جناح ٹاؤن، شمارہ ندارد، ۲۰۱۳ء۔۲۰۱۵ء، ص:۱۳۱

۱۲۔ صدف غوری، نین جزیرے، کراچی، رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء ص:۷۷

۱۳۔ شاہدہ، اسرار، ڈاکٹر، مہکتی دھرتی سلگتی سانسیں، پشاور، نیو اتفاق پرنٹنگ پریس، ۲۰۱۵ء، ص ۷۷

۱۴۔ عصمت جمال ، پروفیسر، خود کش حملے کرو ، مشمولہ آب رواں ، مجلہ گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج جناح ٹاؤن، شمارہ ندارد، ۲۰۱۳ء۔۲۰۱۵ء، ص:۱۲۳

۱۵۔ رحمان خاورؔ، میری نظمیں میرے گیت، کراچی، ابنِ حسن پرنٹرز، ۲۰۱۵ء، ص:۱۲۰

۱۶۔ فاخرہ بتول، یہ ضربِ عضب، ضربِ عضب، ضربِ عضب، مشمولہ جب تجھے روشنی کی ضرورت پڑے، آئی ایس پی آر ، مرتب، راولپنڈی، ہلال پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۵۲

۱۷۔ صدف غوری، شہر خیال، لاہور، طلوعِ اشک ۲۰۱۸ء، ص:۱۸۹

۱۸۔ جمال نقوی، ڈاکٹر، نئے دن کی بشارت، کراچی: ایٹکو لٹریری سوسائٹی، ۲۰۱۵ء، ص:۳۹

۱۹۔ عمران رضا ، میجر، مجھے دشمن کے بچوں کو پڑھانا ہے، مشمولہ جب تجھے روشنی کی ضرورت پڑے، آئی ایس پی آر ،مرتب،راولپنڈی، ہلال پبلی کیشنز،۲۰۱۸ء، ص:۶۶

۲۰۔ عمران رضا،میجر،جو ہو جاتی ہے ماں راضی، مشمولہ جب تجھے روشنی کی ضرورت پڑے، آئی ایس پی آر، مرتب،راولپنڈی، ہلال پبلی کیشنز،۲۰۱۸ء، ص:۳۱

۲۱۔ راجہ غلام عباس، خراجِ عقیدت، مشمولہ، ماہنامہ ہلال، آئی ایس پی آر، راولپنڈی پاکستان، جلد۸۴، شمارہ۲۰۱۱،۳ء، ص:۳۹

References in Roman Script:

1. Khurram Sohail, Surmaya,(Ahd-e-Hazir Kay Riwaiti aur Jadeed Gulukaron ,Masiqaron aur Geet Nigaron Kay Interview Ka Majmoa), Lahore,Alham Publication,2011,p:198
2. Ibid,p:225
3. Hassan Akbar Kamal,Khushbo Jaisi Baat Karo,Karachi,R-K Publisher,1999,p:34
4. Hassan Akbar Kamal, Ibid,p:27
5. Muhammad Afzal Rao,Unhein phir wohi Swat do,included in monthly Hilal,ISPR,Rawalpindi,Pakistan ,vol.46,No.1,2009,p:38
6. Sadaf Ghori,Nain Jazeera,Karachi,Rang Adab Publications,2016,p:51
7. Imran Raza,Bara Dushman Bana phirta Hai Jo Bachon ,Mushmoola JabTujhe Roshni ki Zarurat paray,ISPR,Muratab,Rawalpindi,Hiilal publications,2018,p: 14
8. Shahida Asrar,Dr.,Mehakti Dharti,sulgti saansen,Peshawar,New lttefaq printing press,2015,p: 113
9. Sadaf Ghori,Sheher-e-khiyal,Lahore,Tulu-e-Ashk,2018 p:29
10. Maryam Khatoon,Aaliya Tteagan, Rawalpindi, Romel House of publications,2016,p: 25
11. Shamim kausar,Dr.,Neeli Aankhon walay shehzadey,Mushmoola Aab-e-Rawan, Mujallah, Government Girls Degree college Jinnah Town,Shumara Nadarad,2013-2015,p:131
12. Sadaf Ghori,Nain Jazeera,Karachi,Rang Adab Publications,2016,p:77

13. Shahida Asrar,Dr.,Mehakti Dharti,sulgti saansen,Peshawar,New lttefaq printing press,2015,p:77
14. Asmat Jamal,professor,khud kash Hamlay karo, Mushmoola Aab-e-Rawan, Mujallah, Government Girls Degree college Jinnah Town,Shumara Nadarad,2013-2015,p:123
15. Rehman Khawar,Meri Nazmein Meray Geet,Karachi,Ibn-e-Hassan Printers,2015,p: 120
16. Fakhera Batool,Yeh Zarb-e-Azb, Zarb-e-Azb Zarb-e-Azb,,Mushmoola Jab Tujhe Roshni ki Zarurat paray,ISPR,Muratab,Rawalpindi,Hiilal publications,2018,p:52
17. Sadaf Ghori,Sheher-e-khiyal,Lahore,Tulu-e-Ashk,2018 p:189
18. Jamal Naqvi,Dr.,Naye Din Ki Basharat ,Karachi: Atco literary society,2015,p:39
19. Imran Raza,Major,Mujhe Dushman ke Bachon ko parhana Hai, Mushmoola Jab Tujhe Roshni ki Zarurat paray,ISPR,Muratab,Rawalpindi,Hiilal publications,2018,p:66
20. Imran Raza,Major,Jo Ho Jati Hai Maa Razi Mushmoola Jab Tujhe Roshni ki Zarurat paray,ISPR,Muratab,Rawalpindi,Hiilal publications,2018,p:31
21. Raja Ghulam Abbas, Khiraj-e-Aqeedat, Mushmoola Jab Tujhe Roshni ki Zarurat paray,ISPR,Muratab,Rawalpindi,Hiilal publications,2018,p:39